جمعۃ الوداع اور جمعۃ الاستقبال میں فرق

آخری عشرہ کی اہم عبادات اور لیلۃ القدر کا ذکر

(خطبہ جمعہ مورخہ 23 جنوری 1998ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضورِ انور نے درج ذیل آیتِ کریمہ کی تلاوت فرمائی:

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ (البقرۃ:187)

پھر فرمایا:

یہ وہ آیتِ کریمہ ہے جس کو عنوان بنا کر گزشتہ تین خطبات بھی دیئے گئے اور آج کا خطبہ بھی اسی کے مضمون سے تعلق رکھتا ہے۔ آج جمعۃ الوداع ہے اور میں اس جمعہ کو جمعۃ الاستقبال بنانا چاہتا ہوں۔ یہ فرق ہے دو اصطلاحوں کا جو میں کھول دینا چاہتا ہوں۔ بکثرت ایسے لوگ ہیں جن کو اس جمعہ کا انتظار رہتا ہے جمعۃ الوداع کے طور پر اور ایک میں ہوں جو کہ سارا سال اس کو جمعۃ الاستقبال بنانے کی خاطر انتظار کرتا ہوں۔ یہ کیا مسئلہ ہے یہ میں کھول کر بات بیان کر دیتا ہوں کہ وہ لوگ جو جمعۃ الوداع سمجھتے ہوئے یعنی اپنے جمعہ کو چھٹی دے دی جائے ہمیشہ کے لئے، نیکیوں کو چھٹی دیدی جائے، روزوں کو چھٹی دے دی جائے، ذکرِ الٰہی کو چھٹی دے دی جائے اور اسے وداع کر دیا جائے، اس نیت سے جو لوگ اس جمعہ میں شامل ہوتے ہیں وہ بکثرت ایسے ہیں، اگر بکثرت نہیں تو ایک بڑی تعداد ایسی ہے جن کو عام طور پر نہ نمازوں کی توفیق ملتی ہے نہ جمعوں کی توفیق ملتی ہے، نہ ذکرِ الٰہی کی توفیق ملتی ہے،

نہ نیک باتیں سننے کا موقع میسر آتا ہے، نہ نیک صحبتوں میں بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ ان کے اپنے ہی ہمجولی ہیں، انہی میں پھرتے ہیں، ان میں وہ ایک آزادی محسوس کرتے ہیں اور ان کے اوپر ان لوگوں میں بیٹھنے سے کسی قسم کا دباؤ نہیں پڑتا جو نیکی کی طرف بلانے والے ہوں۔ پس وہ ان کی طرف بہتے ہیں اور بہتے چلے جاتے ہیں اور یہ ایک جمعہ ہے جس میں ان کی فطرت نے ان کو مجبور کر دیا ہے کہ وہ یہاں نیکی کی خاطر آئیں اور نیک لوگوں میں بیٹھیں۔ پس ان کا ایک ہی سہارا ہے کہ یہ جمعہ آخر گزر رہی جائے گا نا، وداع کا جمعہ ہے جسے ہم نے رخصت کرنا ہے۔ جس طرح بچے ''ٹاٹا'' کہتے ہیں تو یہ لوگ ''ٹاٹا'' کرنے آئے ہیں اور ان کو پکڑنے کا میں انتظار کر رہا تھا اس لئے میرے لئے استقبال ہے۔ میں ان لوگوں کا استقبال کرتا ہوں اور اس پہلو سے یہ جمعہ میرے لئے جمعہ استقبالیہ ہے۔ میں ان کا استقبال کرتا ہوں، سارا سال اس انتظار میں رہتا ہوں کہ یہ آئیں اور کچھ تو نیکی کی باتیں ان کے کانوں میں پڑیں، کچھ تو آنکھیں کھلیں۔ یہ تضاد ہے ان دو باتوں میں کہ ایک پہلو سے یہ وداع ہے اور ایک پہلو سے استقبال ہے لیکن حقیقت میں تضاد کوئی نہیں، زاویہ نگاہ کا فرق ہے۔ بہت سے احمدی ایسے نظر آتے ہیں جن کا پہلے نظام جماعت کو علم ہی کوئی نہیں ہوتا کہ وہ احمدی تھے بھی، بہت سے ایسے احمدی دکھائی دیتے ہیں جن کا علم تو ہے لیکن وہ مساجد میں نہیں آتے، وہ نظام جماعت سے تعلق نہیں رکھتے۔ ان کی ٹولیاں الگ ہیں، ان کے خاندان کے حالات مختلف ہیں۔ بہت سے ایسے ہیں جو سارا سال اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں وقت گزارتے ہیں۔ اپنے اہل وعیال سے سلوک میں بھی وہ مسلسل نافرمانی کرتے ہیں۔ ایسی (عورتیں) ہیں جو اپنی بہوؤں سے ایسا سلوک کرتی ہیں جن کو رسولِ خدا ﷺ اور خدا پسند نہیں فرماتا۔ ایسی ہیں جو اپنے دامادوں سے ایسا سلوک کرتی ہیں۔ اسی تعلق میں مرد بھی ایسے ہیں جو بالکل برعکس زندگی گزار رہے ہیں، اس زندگی کے برعکس جو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی زندگی تھی۔

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ (البقرة:185) یہ چند گنتی کے دن تھے رمضان کے جو گزر رہے ہیں اور ان کے گزرنے میں اب بہت تیزی آگئی ہے۔ دوسری طرف کو رمضان الٹ پڑا ہے اور آخری عشرہ کا بھی ایک بڑا حصّہ ہمارے ہاتھوں سے نکل چکا ہے، بڑا حصّہ یعنی نصف سے کچھ کم ایک اہم حصّہ ہمارے ہاتھوں سے نکل چکا ہے۔ اس میں اکیسویں، بائیسویں اور تئیسویں تاریخیں شامل ہیں اور

آج رمضان کی چوبیسویں ہے اور پیچھے کتنے دن باقی ہیں، چھ دن۔ کُلُّھُمۡ۔ تو چھ دن کے اندر آپ نے جو کمائیاں کرنی ہیں کر لیں اور اس جمعہ کو ان معنوں میں وداع نہ کہیں کہ رمضان کا باقی حصّہ بھی سارے رمضان کو وداع کہہ دے۔ کم سے کم یہ چھ دن اگر آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں رمضان گزاریں تو اگر حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کریں خواہ چھ دن کی پیروی کی توفیق ملے آپ کی ساری زندگی اس سے سنور سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے چھ دن چلنا ایک بہت بڑی بات ہے۔ چھ دن چلنے سے ہزاروں سال دوسرے بزرگوں کے پیچھے چلنے کی نسبت زیادہ فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام بزرگی کا خلاصہ ہیں، تمام انبیاءؑ کا معراج ہیں۔ اس لئے آپ کے پیچھے چلنے کی توفیق ملے اور اس زمانہ میں یہ توفیق ملے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں ظاہر ہونے والے امام کے پیچھے چلنے کے نتیجہ میں یہ شرف حاصل ہو تو اس سے زیادہ آپ کو کیا چاہئے۔

پس لیلۃ القدر یعنی ایک لیلۃ القدر کی تلاش نہ کریں، یہ زمانہ لیلۃ القدر ہے۔ یہ سارا زمانہ جس کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ اسلام پر ایسی صبح طلوع ہونے والی ہے جو پھر کبھی لمبے عرصہ تک اندھیروں میں تبدیل نہیں ہوگی یعنی بہت لمبا عرصہ گزرے گا کہ وہ نیکیاں جاری و ساری ہوں گی ان میں کوئی بھی کسی قسم کا خلل ڈالنے والا انسان پیدا نہیں ہوگا اگر ڈالے گا تو اس کی کوششیں ناکام رہیں گی۔ یہ تفاصیل ہیں جو میں پہلے بیان کر چکا ہوں کن شرطوں کے ساتھ پوری ہوتی ہیں مگر یہ زمانہ جو ہمارا زمانہ ہے یہ لیلۃ القدر کا زمانہ ہے۔ پس آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کی تلاش کریں لیکن ان معنوں میں لیلۃ القدر کی تلاش کریں کہ وہ آپ کی زندگی سنوار دے اور آپ اسلام کی اس لیلۃ القدر میں شامل ہو جائیں جو لیلۃ القدر ایک صبح کی خوشخبری لائی ہے اور یہ صبح اب کبھی ختم نہیں ہوگی یا نہیں ہونی چاہئے۔ اس بات کا انحصار کہ کبھی ختم نہیں ہوگی ہر احمدی کی ذات پر ہے۔ اگر اس کے ہاں کوئی صبح طلوع ہو جائے، اگر اس کے دل پر نور کا سورج نکل آئے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دل میں بسیرا کر لیں تو پھر جس کثرت سے ایسے احمدی ہوں گے اسی شدت سے ہم یقین کریں گے کہ ہماری صبح دائمی صبح ہے۔ پس آج دُنیا بھر کے احمدیوں کو خصوصیت کے ساتھ میں مخاطب ہوں یعنی ان احمدیوں کو جنہوں نے سارا سال ضائع کر دیا، جنہوں نے رمضان کا بیشتر حصّہ ضائع کر دیا اب آخری عشرہ کے یہ چند دن باقی ہیں ان میں کمر ہمت کَس لیں اور رمضان کے فیوض سے وہ فائدہ اٹھا لیں جو ان کی

زندگیاں سنوار دے۔ یہ پیغام ہے جو آج کا میرا پیغام ہے۔ اس پیغام کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی پیاری باتیں سنیں۔ کس طرح آپ ﷺ یہ عشرہ گزارا کرتے تھے، کس طرح رمضان میں آپ ﷺ کی نیکیاں غیر معمولی تحریک پاتی تھیں اور بڑی شدت کے ساتھ ان نیکیوں میں روانی آجایا کرتی تھی حالانکہ روایت کرنے والے بتاتے ہیں کہ ساری زندگی نیکی میں گزرتی تھی، ان نیکیوں میں شدت آجاتی تھی۔ یہ ایک عجیب مضمون ہے کیسے آتی ہوگی۔ یہ دل کی کیفیات ہیں ان کے متعلق کوئی شخص نہیں ہے جو رسول اللہ ﷺ کے دل میں جھانک کر دیکھ سکے۔ ہم ظاہری روایات پر بناء کرتے ہیں مگر گہرائیوں میں اترنے کی طاقت نہیں پاتے۔ پس جو بھی میں بیان کروں گا یہ الفاظ کا محتاج ہے اس لئے کچھ نہ کچھ پیغام آپ کو ضرور پہنچے گا مگر میرے اس بیان کے بہترین ہونے کے باوجود، اگر بہترین ہو، حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کے مقام کی شناسائی کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ بہت غور کر کے میں نے دیکھا ہے، جب بھی میں نے سمجھا کہ میں اس مقام کے قریب تک پہنچا ہوں تو وہ مقام اس طرح دُور ہٹتا ہوا دکھائی دیا ہے جیسے ستارے دُور ہٹ جاتے ہیں۔ آپ جتنا چاہیں ان کو Chase کریں ان کی دوری کی رفتار ان معنوں میں کہ ان کا مرتبہ بلند تر ہوا کرتا ہے، جتنا آپ سمجھتے تھے اس سے زیادہ بلند تر ہوتا ہے، جتنی بلندی تک آپ پہنچیں قرب بھی نصیب ہوتا ہے مگر احساس، اس سے بُعد بھی بڑھ جاتا ہے اور حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ انسانوں میں سے اللہ کی ان دو صفات کے مظہر ہیں ایسے مظہر کہ کبھی کوئی انسان ان صفات کا ایسا مظہر نہیں بنا۔ اِنِّی قَرِیۡب میں قریب ہوں اور بعید بھی ہوں، اتنا بعید کہ مجھ سے زیادہ دور اور کوئی نہیں۔ خدا تعالیٰ سب دور کی چیزوں سے زیادہ دور ہے اور سب قریب کی چیزوں سے زیادہ قریب ہے۔

اس مضمون پر میں غالباً پہلے خطبات دے چکا ہوں مگر یاد رکھیں کہ یہ دونوں چیزیں بیک وقت ممکن ہیں اور دونوں ایک وقت میں اکٹھی ہو جاتی ہیں جتنا آپ کو اللہ تعالیٰ سے قرب کا احساس ہوگا اور حقیقی احساس ہوگا اسی قدر خدا تعالیٰ کی بلندی اور دُوری آپ پر واضح اور روشن اور ظاہر ہو جائے گی۔ آپ سمجھتے ہیں عام سی چیز ہے، روزمرّہ کی باتیں ہیں، ہم اللہ کو جانتے ہیں، واقف ہیں کہ اللہ کیا ہوتا ہے لیکن جب واقف بنتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ وہ تو بہت ہی بلند چیز ہے، ہمارے تصور سے بھی بالا ہے اور یہ احساس کہ وہ بالا اور دور تر ہے یہ قریب سے پیدا ہوتا ہے قرب کے بغیر نصیب نہیں ہوسکتا۔

پس آنحضرت ﷺ کے مقام پر جتنی بھی باتیں ہوں گی اس میں یہ پہلو پیش نظر رکھیں کہ آپ قریب بھی ہیں اور بعید بھی ہیں لیکن قریب ہونے پر آپ کو معلوم ہوگا کہ کتنے بلند ہیں۔ جب تک آپ ﷺ سے دور ہیں آپ کو آپ ﷺ کی بلندی کا پتا نہیں چلے گا۔ آپ کو کوئی بھی قرب نصیب نہیں ہوگا۔

اب میں ان روایات سے بات شروع کرتا ہوں جو آخری عشرہ سے متعلق ہم نے اکٹھی کی ہیں۔ ایک ہے:

”قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَجْتَهِدُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ، مَالَا يَجْتَهِدُ فِيْ غَيْرِهِ۔“

(صحیح مسلم، کتاب الاعتکاف، باب الاجتہاد فی العشر الاواخر من شھر رمضان، حدیث نمبر: 1175)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آخری عشرہ میں آنحضرت ﷺ عبادات میں اتنی کوشش فرماتے تھے جو اس کے علاوہ دیکھنے میں نہیں آئی۔ تو رمضان میں وہ کوشش کیا ہوتی ہوگی جو عام طور پر حضرت عائشہ صدیقہؓ کے دیکھنے میں بھی نہیں آئی اور آپ ﷺ کی روایات جو رمضان کے علاوہ ہیں وہ ایسی روایات ہیں کہ ان کو دیکھ کر دل لرز اٹھتا ہے کہ ایک انسان اتنی عبادت بھی کر سکتا ہے۔ ساری ساری رات بسا اوقات خدا کے حضور بلکتے ہوئے ایک سجدہ میں گزار دیتے تھے۔ جس طرح کپڑا انسان اتار کر پھینک دیتا ہے اسی طرح آپ ﷺ کا وجود گرے ہوئے کپڑے کی طرح پڑا ہوتا تھا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ سمجھا کرتی تھیں کہ کسی اور بیوی کے پاس نہ چلے گئے ہوں، تلاش میں گھبرا کر باہر نکلتی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کو ایک ویرانے میں پڑا ہوا دیکھتی ہیں اور جوش گریاں سے جیسے ہانڈی ابل رہی ہو ایسی آواز آرہی ہوتی تھی۔ وہ عائشہؓ جب گھر کو لوٹتی ہوگی تو کیا حال ہوتا ہوگا۔ کیا سمجھا تھا اپنے آقا اور محبوب کو اور کیا پایا۔ یہ عام دنوں کی بات ہے، یہ رمضان کی بات نہیں ہے۔ عام دنوں میں یہ پایا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے۔ آپ گواہی دیتی ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر آخری عشرہ میں ایسے وقت آتے تھے کہ ہم نے پہلے کبھی دوسرے دنوں میں نہیں دیکھے۔ ان کیفیات کو بیان کرنا انسان کی طاقت میں نہیں ہے۔ نہ میری طاقت میں ہے نہ کسی اور انسان کی طاقت میں ہے لیکن آپ نے خود ان کیفیات سے کہیں کہیں پردہ اٹھایا ہے اور بتایا ہے کہ

میں کس دُنیا میں پہنچا ہوا تھا، میں کس دُنیا میں بسر کرتا رہا ہوں وہ احادیث بھی ابھی میں آپ کے سامنے کھول کر بیان کرتا ہوں۔

ایک روایت وہ ہے جس کے متعلق ہماری کتب میں اور بالعموم روایتاً جو معنی بیان کئے جاتے ہیں وہ میرے نزدیک درست نہیں ہیں وہ واقعہ اپنی ذات میں تو درست ہے کہ ایسا ہوا کرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان میں پہلے سے زیادہ صدقہ وخیرات کیا کرتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں مگر جو روایت میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں اس کے ترجمہ کو محدود کر دیا گیا ہے اور وہ ترجمہ اس سے بلند اور وسیع تر ہے جو عام طور پر آپ کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ وہ روایت یہ ہے:

”عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِاللهِ بْنِ عُتْبَةَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ، وَكَانَ أَجْوَدَ مَا يَكُوْنُ فِيْ رَمَضَانَ حِيْنَ يَلْقَاهُ جِبْرِيْلُ، وَكَانَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَلْقَاهُ كُلَّ لَيْلَةٍ فِي رَمَضَانَ حَتَّى يَنْسَلِخَ، يَعْرِضُ عَلَيْهِ النَّبِيُّ ﷺ الْقُرْآنَ فَإِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيْحِ الْمُرْسَلَةِ۔“

(صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب أجود ما کان النبی ﷺ یکون فی رمضان، حدیث نمبر:1902)

یہ جو آخری حصّہ ہے اس میں وہ معنی پوشیدہ ہیں جو میں بیان کرنا چاہتا ہوں اور جو عموماً ترجموں میں دکھائی نہیں دے سکتے۔ اس حدیث سے اجود کا معنی یہ لیا گیا ہے کہ وہ بہت زیادہ سخی غریبوں پر خرچ کرنے میں اور خیر کا معنی یہ لیا گیا ہے دُنیا کا مال اور کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان کے دنوں میں اتنا زیادہ خرچ کیا کرتے تھے جیسے تیز ہوا میں اور بھی تیزی آ جائے اور وہ ہوا جھکڑ میں تبدیل ہوجائے۔ یہ معنی دل پسند معنی ہیں، اچھے معنی ہیں مگر اس روایت میں اس موقع پر یہ معنی مناسب نہیں بلکہ اس کے کچھ اور معنی بنتے ہیں۔ جبرائیلؑ ہر رات کو اترا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنہا پاتے تھے اس وقت اس روایت کا یہ معنی لینا کہ جبرائیلؑ ایسی حالت میں ملتے تھے کہ آپ سخاوت میں اور لوگوں میں خرچ کرنے میں بہت تیزی دکھایا کرتے تھے وہ وقت ہی ایسا نہیں ہے جس میں باہر نکل کر غریبوں کو ڈھونڈا جائے اور ان پر کثرت سے خرچ کیا جائے۔ راتیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خدا کے درمیان کی راتیں تھیں۔ ان راتوں میں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جبرائیلؑ جب قرآن کریم لے

کرآئیں تو آپ ﷺ کو اس حال میں پائیں، یہ ناممکن ہے لیکن اجود کا وہ معنی جو اعلیٰ درجہ کی لغات امام راغب وغیرہ سے ثابت ہے اور خیر کا وہ معنی جو اعلیٰ درجہ کی لغات سے ثابت ہے وہ کچھ اور مفہوم بھی اپنے اندر رکھتا ہے۔

اجود اس شخص کو کہیں گے جو نیکیوں میں سب سے آگے بڑھ جائے اور خیر حسنہ کو کہتے ہیں صرف مال کو نہیں کہتے۔ ہر بھلی بات جس کی مومن توقع رکھتا ہے اور خدا سے دعا کرتا ہے کہ یہ بھلائی مجھے نصیب ہو اسے خیر کہا جاتا ہے۔ پس ان معنوں میں جب اس حدیث کو آپ دوبارہ پڑھیں تو بالکل ایک اور مضمون، ایک نیا جہان آپ کی آنکھوں کے سامنے ابھرے گا۔ آنحضرت ﷺ کو جب بھی جبرائیلؑ نے دیکھا ہے رات کو آپ ﷺ ان نیکیوں میں غیر معمولی آگے بڑھنے والے تھے تمام کائنات کے وجودوں سے آگے بڑھنے والے تھے جن نیکیوں میں دوسرے لوگ ان میدانوں میں سفر کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ رات کو اپنے خدا کی یاد میں غرق ہونے میں سب سے زیادہ تھے۔ رات کے وقت اجود تھے ان معنوں میں کہ ذکرِ الٰہی میں اپنے آپ کو گم کر دیا اور خیر کے جتنے بھی اعلیٰ پہلو ہیں مال کے علاوہ، ان سارے پہلوؤں میں محمد رسول اللہ ﷺ میں ایسی تیزی آئی ہوئی تھی جیسے جھکڑ چل رہا ہو۔ یہ حقیقی معنی ہیں اور لغت سے میں نے اچھی طرح دیکھ لئے ہیں۔ یہ موقع نہیں کہ لغت کی تفصیل میں جایا جائے لیکن آپ یقین کریں کہ ہر پہلو سے چھان بین کے بعد میں آپ کو مطلع کر رہا ہوں کہ ان معنوں میں جبرائیلؑ نے حضرت محمد مصطفی ﷺ کو جب بھی دیکھا اس حال میں دیکھا ہے۔ ہر نیکی میں اتنی تیزی آئی ہوئی ہوتی تھی کہ جیسے جھکڑ چل رہا ہو اور یہ تیزی ذکرِ الٰہی کی تیزی تھی خدا کی ذات میں ڈوب جانے کی تیزی تھی۔

پس اس پہلو سے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی پیروی کر کے دیکھ لیں تو پھر اندازہ ہوگا کہ کتنی مشکل مگر کتنی لازمی پیروی ہے۔ مشکل تو ہے کیونکہ یہ سفر بہت طویل ہے۔ ایک عام انسان کے لئے اس سفر کی آخری منازل کے لئے تصور بھی ممکن نہیں ہے لیکن یہ چند دن تو ہیں۔ ان دنوں میں اللہ خود قریب آجاتا ہے۔ یہ وہ دن ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی آسان کر دی جاتی ہے۔ پس ان دنوں سے فائدہ اٹھائیں اور ان دنوں کا حقیقی معنوں میں استقبال کریں۔ ان کو وداع کرنے کے لئے نہ رمضان کا وقت گزاریں بلکہ ان کے استقبال کے لئے اپنے بازو دراز کر دیں، اپنے سینہ کے

دروا کر دیں اور پوری کوشش کریں کہ رمضان کی برکتیں ہر طرف سے آپ کو گھیر لیں اور آپ کے اندر اس طرح داخل ہو جائیں جیسے سورج طلوع ہو جاتا ہے۔اب بخاری شریف کی ایک حدیث میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں جو حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے۔

''آنحضرت ﷺ کے بعض صحابہؓ کو لیلۃ القدر رؤیا میں دکھائی گئی فی السبع الاواخر، آخری سات دنوں میں۔(یعنی اس سال جو خاص لیلۃ القدر کا طلوع انفرادی طور پر لوگوں پہ ہوا کرتا ہے وہ آخری سات دن سے تعلق رکھتا تھا)اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تائید فرمائی کہ اگر یہ رؤیا ہیں اور تم سب لوگ ان باتوں میں اکٹھے ہو گئے ہو تو پھر تم آخری سات دنوں میں اس کی تلاش کرو۔''

(صحیح البخاری، کتاب فضل لیلۃ القدر ،باب التماس لیلۃ القدر فی السبع الأواخر، حدیث نمبر:2015)

اب آپ کے لئے آخری چھ دن باقی ہیں اور اس حدیث کی روشنی میں یہ واقعہ بار بار بھی ہو سکتا ہے یعنی اس لئے کہ صاف پتا چلا کہ لیلۃ القدر جگہ بدلتی رہتی ہے۔کبھی اکیس کو آ گئی کبھی تئیس کو۔عام طور پر اکیس، تئیس، پچیس، ستائیس اور انتیس ان راتوں میں آیا کرتی ہے۔تو ابھی ہمارے پاس کچھ دن باقی ہیں جن میں بعید نہیں کہ اس سال، ان اواخر میں ہی لیلۃ القدر ظاہر ہو۔پس جن لوگوں نے اس سے پہلے کا رمضان ضائع کر دیا ان کے لئے خوش خبری ہے۔آنحضرت ﷺ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب رمضان کے آخری ہفتہ پر متفق ہیں اس لئے جو شخص لیلۃ القدر کی تلاش کرنا چاہتا ہے وہ رمضان کے آخری ہفتہ میں کرے۔عام دستور رسول اللہ ﷺ کا یہ تھا کہ اپنے جاگنے کے ساتھ یعنی آپ ﷺ کا جاگنا تو ایک اور معنی بھی رکھتا تھا یعنی وہ شعور خدا تعالیٰ کی صفات کا جو نیا سے نیا رسول اللہ ﷺ کو نصیب ہوا کرتا تھا ان معنوں میں آنحضرت ﷺ ہر دفعہ اور بیدار ہوا کرتے تھے اور ہر شب بیداری کے نتیجے میں آپ ﷺ کا شعور ان معنوں میں بیدار ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا وہ تصور آپ ﷺ پر نازل ہوتا تھا جو پہلے تصور سے بالاتر تھا۔ان معنوں میں آپ ﷺ ہمیشہ ترقی کرتے رہے، ہمیشہ بلند پروازی کرتے رہے۔ایک دن بھی ایسا نہیں آیا جس میں کوئی بلند پروازی ایک جگہ ٹھہر جائے کہ جو کچھ میں نے پانا تھا پالیا کیونکہ خدا کی ذات نہیں ٹھہرتی، خدا کی ذات لامتناہی ہے۔پس جب میں بیداری کی بات کرتا ہوں تو عام انسان کی بیداری کی بات نہیں کرتا۔

غور کیا کریں کس کی بات کر رہا ہوں۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ہر شب بیداری آپ کو صفات الٰہیہ کے شعور میں اور بھی زیادہ بیدار کر دیتی تھی۔ پس حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ:

''جب رسول اللہ ﷺ آخری عشرہ میں داخل ہوتے تو کمر ہمت کس لیتے اپنی راتوں کو زندہ کرتے اور گھر والوں کو جگاتے۔''

(صحیح البخاری، کتاب فضل لیلۃ القدر ،باب العمل فی العشر الأواخر من رمضان، حدیث نمبر:2024)

اب دیکھیں وہی الفاظ ہیں جو بیداری کے لئے میں نے کہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں راتوں کو زندہ کرتے۔ پہلے آپ ﷺ کی راتیں مردہ ہوا کرتی تھیں؟ کوئی ایک رات آپ ﷺ کی زندگی میں ایسی نہیں تھی جس کو آپ مُردہ رات کہہ سکیں لیکن رمضان کے اواخر میں، ہر رمضان میں ان زندہ راتوں کو اور بھی زندہ کرتے تھے اور ''گھر والوں کو جگاتے''۔ اب گھر والوں کو جگانا ایک جسمانی فعل بھی تو ہے اور یہ کیا کرتے تھے۔ یہ ہم سب پر فرض ہے کہ ان دنوں میں خاص طور پر اپنے اہل وعیال، اپنے بچوں، بیوی وغیرہ کو تعلیم دیں کہ رمضان کے حق ادا کرنے کے لئے جاگا کرو لیکن آنحضرت ﷺ جب گھر والوں کو بیدار کرتے تھے تو میں سمجھتا ہوں رمضان کے معارف کے سلسلہ میں ضرور ان کو نئے معارف عطا فرماتے ہوں گے۔ اب اس پہلو سے جس طرح رسول اللہ ﷺ راتوں کو زندہ کیا کرتے تھے، اپنے اہل وعیال کی زندگی میں بھی وہ نئی زندگی بھر دیا کرتے تھے۔

ایک حدیث مسند احمد بن حنبل سے لی گئی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''عمل کے لحاظ سے ان دس دنوں یعنی آخری عشرہ سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کے نزدیک عظمت والے اور محبوب اور کوئی دن نہیں ہیں۔''

عمل کے لحاظ سے جو ان دنوں میں برکت ہے ایسے اور کسی عشرہ اور کسی اور دن میں برکت نہیں ہے۔ پس مبارک ہو کہ ابھی کچھ دن باقی ہیں اور یہ برکتیں کلیۃً ہمیں وداع کہہ کر چلی نہیں گئیں۔ آپ ان کا استقبال کریں تو آپ کے گھر اتر کر ٹھہر بھی سکتی ہیں اور یہی حقیقی نیکی کا مفہوم ہے۔ نیکی وہ جو آ کر ٹھہر جائے اور پھر رخصت نہ ہو۔ ان ایام میں خصوصیت سے رسول اللہ ﷺ نے جس ذکر الٰہی کی تاکید

فرمائی ہے وہ ایک ہے تہلیل۔ تہلیل سے مراد ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، دوسرے تکبیر اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، تیسرے تحمید، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

(مسند احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عمرؓ، حدیث نمبر:5446)

تو یہ تین سادہ سے ذکر ہیں جو بآسانی ہر شخص کو توفیق ہے کہ ان پر زور ڈالے۔ توفیق اس لئے کہ ان اذکار کا سب کو علم ہے۔ بہت گیا گزرا مسلمان بھی ہو تو وہ یہ تین باتیں ضرور جانتا ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ ہر گلی میں آپ کو جگہ جگہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ پس یہ وہ تین اذکار ہیں جن کو یاد کرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ سب کو یاد ہیں لیکن یاد نہیں بھی یعنی ان کے معنوں میں ڈوب کر یہ ذکر نہیں کئے جاتے۔ جب حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ان ایام میں بکثرت یہ ذکر کیا کرو تو مراد ہے کہ کثرت کی وجہ سے شاید دل میں بات اُتر بھی جائے۔ جب آپ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ورد کرتے ہیں تو ہر دوسرے خدا کی نفی کر رہے ہوتے ہیں۔ اگر زبان سے ذکر ہے مگر دل میں ذکر نہیں ہے اگر دماغ اس ذکر کی پیروی نہیں کر رہا اور آپ کو بتا نہیں رہا کہ جب خدا کے سوا آپ کسی اور معبود کو تسلیم نہیں کرتے تو یہ دُنیا کے معبودوں کے کیا جھگڑے بنا رکھے ہیں۔ کیوں بڑے لوگوں کی پیروی کرتے ہو، کیوں رزق کے ان ذرائع کی پیروی کرتے ہو جن کا خدا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ رزق پیدا کرنے والا تو وہی ہے لیکن رزق کے قوانین بتانے والا بھی تو وہی ہے کہ کس رزق کو حاصل کرو، کس کو نہ کرو۔ پس لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ورد ان دنوں میں جب ان معنوں میں ہو تو اللہ تعالیٰ ایک نئی شان سے آپ کے دل پر طلوع ہو گا اور توحید کے ایسے ایسے مضامین آپ پر روشن ہوں گے جن کی طرف پہلے کبھی خواب و خیال میں بھی توجہ نہیں گئی۔

پس عام طور پر لوگ ان حدیثوں کو سن کر یہ ورد شروع کر دیتے ہیں۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ ضربیں لگاتے ہیں اپنی طرف سے کہ ہر چوٹ پر ایک نئی معرفت نصیب ہو رہی ہے لیکن ایسے بھی ہیں جو ساری عمر ضربیں لگاتے رہے مگر ان کے دل میں کسی روشنی نے کوئی جگہ نہ پائی۔ پس اپنی راتوں کو اس طرح زندہ کرو جیسے رسول اللہ ﷺ راتوں کو زندہ کیا کرتے تھے اور باقیوں کی راتیں بھی زندہ کیا کرتے تھے۔ تو جب یہ میں نے ذکر کیا ہے کہ آپ باقی راتوں کو بھی زندہ کیا کرتے تھے تو یہ مراد ہے کہ جو سادہ سے تین ذکر ہیں ان پر بھی اگر آپ غور کریں اور ذکر کرتے وقت اپنے دل میں

اتارنے کی کوشش کریں اور یہ غور کریں کہ لَآ اِلٰہَ کن معنوں میں ہے تو اتنا عظیم الشان جہان توحید کا آپ پر ظاہر ہوگا کہ آپ نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا کہ توحید کا یہ معنی بھی ہے، یہ معنی بھی ہے، یہ معنی بھی ہے۔ اس میں کسی بیرونی بنانے والے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر شخص اپنی توحید کو خود جانچ سکتا ہے اور ہر شخص کی توحید جانچنے کا مقام الگ الگ ہے کیونکہ توحید میں کوتاہی ہر شخص کی ایک ہی جیسے مضمون میں نہیں ہوا کرتی الگ الگ مضامین میں ہوتی ہے۔ کسی کی توحید پر ایک شخص کے لحاظ سے ایک نقصان کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس کی توحید کو ایک خطرہ ہے اس کے بعض گناہوں سے یعنی وہ توحید اس کے دل میں بچ نہیں سکتی، نافذ نہیں ہوسکتی جب تک وہ خصوصی گناہ جو توحید سے متصادم ہیں وہ دور نہ ہوں۔ اب اس کے متعلق عمومی طور پر بیان کیا ہی نہیں جاسکتا۔ یہ ناممکن ہے کہ مجھے علم ہو کہ ہر دل میں توحید کے خلاف کون سا بت بیٹھا ہوا ہے جس کو توڑنا ضروری ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت کو اپنالیں تو ہر دل کا فیصلہ اپنا ہوگا اور ہر انسان کو بُت دکھائی دینے لگیں گے اور جتنی دفعہ آپ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہیں گے ایک نیا بت آپ کے سامنے ظاہر ہوگا جس کا توڑنا آپ پر فرض ہے۔ پس اس سے بہتر اور کوئی ورد نہیں ہوسکتا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ورد ان معنوں میں کیا جائے۔

دوسرا تکبیر ہے جب اللہ کے سوا کوئی نہ رہا ایک وہی تو ہے تو پھر اس کی عظمتوں اور بڑائیوں میں ڈوب کر دیکھیں کہ آپ نے جو پایا ہے وہ بہت زیادہ پایا ہے اس کی نسبت جو آپ نے کھویا ہے۔ جو کھویا ہے چند چھوٹے بت تھے جو دُنیا کی حرصیں تھیں ایک مادہ پرستی کا عالم تھا جس میں آپ زندگی بسر کر رہے تھے۔ اس کو چھوڑا ہے تو کچھ ملا بھی تو ہے۔ جب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتے ہیں تو دماغ میں آتا ہے کہ ہم نے چھوڑا نہیں اللہ کو پایا ہے۔ پھر اللہ ہے کیا۔ جب اللہ پر غور کریں گے تو اَللّٰہُ اَکْبَرُ دل سے بلند ہوگا۔ اتنا عظیم الشان وجود ہم نے پالیا اس سے بڑا وجود ہو ہی نہیں سکتا۔ ہر اچھی بات میں سب سے بڑھ کر، ہر عظمت میں سب سے بڑھ کر ہے، ہر طاقت میں سب سے بڑھ کر ہے۔ غرض یہ کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا سفر آپ کو ایک ورد میں منتقل کر دے گا جو اَللّٰہُ اَکْبَرُ کا ورد ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ پھر ان معنوں میں پڑھنی ضروری ہے کہ اسی کا احسان ہے، اسی کی حمد کے ہم گیت گاتے ہیں کہ اس نے ہمیں یہ توفیق بخشی اور اَکْبَرُ میں جب آپ نے سفر کیا اس کی بڑائی میں، تو یہ محسوس کیا کہ اس کی بڑائی میں حمد کے سوا تھا ہی کچھ نہیں۔ لَآ اِلٰہَ نے سُبْحَان کا معنی پہلے ہی پیدا کر دیا تھا۔

ہر برائی سے پاک ہے کیونکہ وہی ایک ہے جو ہے اور باقی سب نہیں ہیں۔ جو وجود نہیں ہیں وہ برائیاں ہیں، وہ سائے ہیں، وہ اندھیرے ہیں، جو ہے وہ اللہ ہے اور وہ اَکْبَرُ ہے۔ اس اَکْبَرُ کی ذات پر جب آپ نے غور کرنا شروع کیا تو یہ بات آپ پر بخوبی روشن ہو جائے گی کہ یہاں اب حمد نہیں۔ پھر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ان معنوں میں بھی آپ کے دل سے اٹھے گا کہ اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے میں نے کیا پایا۔ جو کھونے والی چیزیں تھیں شکر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں نے ان کو کھو دیا ان کو دل سے نکال کر باہر پھینک دیا اور جو پانے والی ذات تھی اس کو پایا ہے اس پر جتنا بھی میں شکر ادا کروں اتنا کم ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ بہت ہی قابل حمد ہے وہ ذات جو تمام جہانوں کا ربّ ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ ذکر ہمیں سکھا دیا ہے جو بظاہر ہمیں معلوم تھا لیکن فی الحقیقت ہم اس سے ناواقف تھے۔

اب مسند احمد بن حنبل کی ایک حدیث جو حضرت ابن عمرؓ ہی سے مروی ہے وہ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں کہ رمضان میں جو اعتکاف ہوا کرتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے اعتکاف بیٹھتے تھے وہ کون سی دُنیا تھی جس میں ڈوبا کرتے تھے۔ رمضان میں جب تیزی آتی تھی، اجود ہو جاتے تھے وہ کیا قصّہ تھا۔ یہاں ایک جھلکی ہمیں نظر آتی ہے اس بنا پر کہ بعض لوگ اعتکاف میں ذرا اونچی تلاوت کرتے تھے اُن کا اونچی تلاوت کرنا ہم پر ہمیشہ کے لئے احسان ہو گیا کیونکہ اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کا حال، اس کی ایک جھلک دکھائی دی۔ یہ وہ باتیں تھیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاید ازخود اپنے متعلق نہ بیان کرتے مگر ان لوگوں نے مسجد میں جو تھوڑا سا ایک قسم کا ہلکا سا شور یعنی وہ بھی شور ایسا جو تلاوت کا شور ہے وہ بلند کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس تخلیہ میں مخل ہو گئے جو آپ کا اور اللہ کا تخلیہ تھا۔ اس لئے مجھے یہ حدیث بہت پیاری لگتی ہے کیونکہ ان لوگوں کی تلاوت کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو نصیحت فرمائی اور اب بھی ہماری مسجدوں میں شاید اس کی ضرورت پیش آئے مگر اصل بات جو ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلوت کا ایک منظر، ایک جھلکی ہم نے اس حدیث میں دیکھ لی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا۔ آپ کے لئے کھجور کی خشک شاخوں کا حجرہ بنا دیا گیا۔ یہ بھی یاد رکھیں کہ رمضان کے دنوں میں مسجد کی Capacity کو آپ لوگ جب جانچتے ہیں اور مجھے لکھتے ہیں کہ اس میں اتنے آدمیوں کی Capacity ہے تو اتنوں کو اعتکاف میں بیٹھنے دیا جائے یہ Capacity کا معیار درست نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حجرہ ایسا تھا کہ وہاں باقاعدہ ایک خیمہ سا بنایا گیا یعنی ایک جھونپڑی سی بنائی گئی اور اردگرد کافی دور تک دوسرے لوگ

نہیں تھے۔ان کی عام عبادتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تخلیہ کی حالت ان پر ظاہر نہیں ہوتی تھی۔تو وہ مسجد نبوی چونکہ بہت بڑی تھی اس لئے اصل اعتکاف کا حق بڑی مسجد میں ادا ہوتا ہے۔ایسی مسجد میں جہاں چند عبادت کرنے والے ایک دوسرے سے الگ الگ ہوں، ایک دوسرے کے معاملات میں مخل نہ ہوں اور اصل عبادت کا تو وہی مزہ ہے جو ایسے اعتکاف میں کی جائے مگر ہمارے ہاں بھرنے پر زور ہے۔اس لئے اس دفعہ خواتین میں خصوصیت سے جن خواتین کے متعلق کسی حکمت کی وجہ سے ہم نے سمجھا کہ ان کو یہاں نہیں بیٹھنا چاہئے ،مسجد میں گنجائش ہونے کے باوجود اُن کو جگہ نہیں دی گئی۔یہ عین سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ہے کہ یہ نہیں تھا کہ اگر صحابہؓ چاہتے تو ساری مسجد معتکفین سے بھر سکتے تھے مگر ایسا نہیں کیا گیا اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ اجازت کا کیا نظام جاری تھا مگر کچھ نہ کچھ ضرور نظام جاری ہوگا جس کے تابع بعض لوگوں کو توفیق ملتی تھی اور بعضوں کو نہیں ملتی تھی۔کھجوروں کا ایک حجرہ سا بنایا گیا، ایک جھونپڑی بنائی گئی۔ایک رات ایسی آئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باہر جھانکتے ہوئے فرمایا نمازی اپنے ربّ سے راز و نیاز میں مگن ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے قرأت بالجہر اس طرح نہ کیا کرو کہ گویا دوسرے بھی سن سکیں۔

(مسند احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ،حدیث نمبر:5349)

تو یہ فرض ہے ہر حجرے والے کا جو اعتکاف بیٹھتا ہے کہ اس کے اندر کی آوازیں باہر نہ جائیں یہاں تک کہ تلاوت بھی باہر نہ جائے۔حالانکہ تلاوت تو کسی عبادت کرنے والے کی راہ میں حائل نہیں ہونی چاہئے کیونکہ عبادت اور تلاوت درحقیقت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایسی آواز میں تلاوت کی آواز بھی باہر نہ جائے کہ دوسرے معتکفین کی راہ میں حائل ہو کیوں ایسا فرمایا۔ایک راوی بیاضی ہیں جن سے مسند احمد بن حنبل میں یہ روایت مروی ہے اور بیاضی بیاضہ بن عامر کی طرف نسبت تھی، ان کا اصل نام عبداللہ بن جابر تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ان کی روایت ہے کہ اپنے حجرہ سے باہر دوسروں کی طرف نکل کے آئے یعنی چل کر باہر گئے ہیں۔صاف پتا چلتا ہے کہ فاصلہ ہے بیچ میں جو نماز ادا کر رہے تھے ان کی قرأت کی آوازیں بلند تھیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ نمازی تو اپنے ربّ ذوالجلال سے راز و نیاز میں مگن ہوتا ہے۔

(مسند احمد بن حنبل، مسند المکثرین من الصحابۃ، حدیث البیاضی ،حدیث نمبر:19022)

اب یہ راز و نیاز کی راتیں تھیں جو رسول اللہ ﷺ گزارا کرتے تھے اور اس راز و نیاز کا لطف کیا تھا یہ بھی اگلی حدیثوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ حدیثیں غلطی سے یہاں ساتھ نہیں رہیں لیکن زبانی میرے ذہن میں جو مضمون ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ جو اپنے ربّ سے راز و نیاز کیا کرتے تھے تو دُنیا کے سارے دوسرے پردے اٹھ جایا کرتے تھے اور آپ ﷺ ایسے غرق ہوتے تھے ذکر الٰہی میں اور اس سے ایسی لذّت پاتے تھے کہ اس لذت کا بیان ممکن نہیں ہے۔ وہ حدیثیں اس وقت یہاں نہیں ہیں جو میرے ذہن میں ہیں جن کی وجہ سے میں بتا رہا تھا کہ یہ جو فرمایا کہ ایک شخص راز و نیاز میں مصروف ہے اس کے راز و نیاز میں حائل نہ ہو وہ راز و نیاز ایسا تھا کہ اس کے لطف کا کوئی بیان ممکن نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کو اللہ کے ذکر میں اتنا زیادہ مزہ آتا تھا کہ اس مزہ کی کیفیت دوسرے الفاظ میں بیان ہو نہیں سکتی۔ عام انسان جب ذکر الٰہی میں لذّت پاتا ہے تو بعض دفعہ خود اپنی کیفیت کو دوسرے کے سامنے بیان نہیں کرسکتا۔ آنحضرت ﷺ کو اللہ سے عشق اور محبت میں جو خلا میسر آیا کرتا تھا وہ کیفیت جیسا کہ میں نے پہلے عرض کر دیا تھا ناممکن ہے کہ میں بیان کرسکوں، کوئی انسان اسے بیان نہیں کرسکتا۔

ان کیفیات پر رسول اللہ ﷺ کی بعض اور حدیثیں روشنی ڈالتی ہیں مگر اتنا بہرحال یقینی ہے کہ رمضان کی راتوں کے اواخر اور آخری عشرہ میں معتکفین کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے دوسرے ساتھیوں کا خیال رکھیں کیونکہ وہ جس بات میں مخل ہوں گے وہ اللہ اور بندہ کے راز و نیاز کی باتیں ہیں اور ایسی راز و نیاز کی باتیں ہیں جن کو وہ خود نہیں کھولنا چاہتا۔ اب ظاہر بات ہے کہ یہ واقعہ نہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ یہ نہ کہتے کہ میں تو اللہ سے راز و نیاز میں مصروف ہوں۔ وہ راز و نیاز کی کیفیت ایسی ہے جو بیان سے باہر ہے۔ جن حدیثوں سے ان پر روشنی پڑتی ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک اور لافانی لذّت میں ڈوب جاتے تھے، ایسا اس لذّت میں غرق ہو جاتے تھے کہ اس سے باہر آنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ یہی دل چاہتا تھا کہ ہمیشہ کے لئے اس لذّت میں ڈوب جاؤں۔ فِی الرَّفِیْقِ الاَعْلیٰ کے متعلق جو آپ نے روایت سنی ہے کہ آخری وقت میں فِی الرَّفِیْقِ الاَعْلیٰ کہا کرتے تھے۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ و وفاته، حدیث نمبر: 4436) یہ مراد نہیں ہے کہ آخرت میں وہ رفیق نصیب ہونا تھا۔ وہ رفیق جو ہمیشہ ان راتوں میں محمد رسول اللہ ﷺ پر ظاہر ہوا

کرتا تھا، جو آپ کا ساتھی بن جایا کرتا تھا، آپ کے دل میں اتر جایا کرتا تھا، اس میں مزید غرق ہونے کو دل چاہتا تھا۔ فِي الرَّفِيْقِ الاَعْلَى ہے، اِلَى الرَّفِيْقِ الاَعْلَى نہیں۔ میں تو اپنے رفیق میں ڈوب جانا چاہتا ہوں۔ یہ وہ کیفیات ہیں جن کو پڑھ کر کم سے کم ایک انسان کے دل میں یہ خیال تو پیدا ہوسکتا ہے کہ میں اس رمضان کے آخری عشرہ میں ویسا ہونے کی کوشش شروع کر دوں۔ اس کوشش میں آپ کا کوئی زیاں نہیں ہے۔ اس کوشش میں ایک ایسی لذت ہے جو اگر آپ کو نصیب ہوگئی تو یہ لذت آپ کو سنبھال لے گی اور سارا سال اس سے باہر نکلنے کا وہم وگمان بھی دل میں نہیں آئے گا۔

آج جو ساری احمدیت کی دُنیا میرا پیغام سن رہی ہے اس کثرت سے دُنیا میں کبھی کسی پیغام کو لوگوں نے اس طرح اکٹھے نہیں سنا۔ آج ایک عجیب دن طلوع ہوا ہے۔ ساری کائنات میں ایسا دن تصور میں نہیں آ سکتا کہ جب اس کثرت سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے پیغامات کو ساری دُنیا ہمہ تن گوش ہو کے سن رہی ہے اور ہر چھوٹا بڑا، ہر طاقتور، ہر کمزور اس نظارہ میں شامل ہے۔ لاکھوں ہیں جن تک یہ آواز پہنچ رہی ہے اور اس احترام سے سن رہے ہیں کہ آج کے رمضان کے احترام کی خاطر وہ اس آواز کو بھی احترام سے سننے پر مجبور ہو چکے ہیں۔ پس میں اُمید رکھتا ہوں کہ یہ آواز دُنیا کو جگا دے گی کیونکہ یہ آواز بظاہر میرے منہ سے نکل رہی ہے مگر فی الحقیقت حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی آواز ہے جو آپ ﷺ ہی کی احادیث کے حوالہ سے میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں۔ اس لئے اس آواز کو عظمت دیں کیونکہ محمد رسول اللہ ﷺ کی آواز تھی جسے میں نے آگے چلایا ہے۔ میں اُمید رکھتا ہوں کہ اس کے بعد آپ لوگ فکر کریں گے۔ اس رمضان نے تو گزرنا ہے مگر ایک بات یاد رکھیں کہ آپ کی اور میری ہم سب کی زندگیوں نے بھی گزر جانا ہے۔ سب سے بڑی غفلت موت کے دن کو بھلانے سے ہے۔ رمضان کو تو آپ وداع کہہ دیں گے مگر یاد رکھیں آپ کی جانیں، آپ کی روحیں بھی ایک دن آپ کو وداع کہیں گی۔ اس وقت ایسے حال میں وداع نہ کہیں کہ حسرت سے آپ ان روحوں کو واپس پکڑنے کی کوشش کریں کہ چلو واپس چلتے ہیں اس دُنیا میں دوبارہ گزارتے ہیں، نیک کاموں میں صرف کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں وہ آخری دن آئیں کہ فِي الرَّفِيْقِ الاَعْلَى کی آوازیں بلند ہو رہی ہوں۔ یہ پیغام ہے جو آنحضرت ﷺ کا پیغام ہے جو میں آپ تک پہنچا رہا ہوں۔ اکثر لوگ بھول جاتے ہیں مرنے کو حالانکہ سب سے زیادہ یقینی چیز مرنا ہے۔ جتنے ہم ہیں سب کے سب نے

ضرور مرنا ہے۔ ایک وقت ایسا آئے گا، بستر پر پڑے ہوں گے یا قتل ہوں گے یا اور ڈوبیں گے، جو بھی صورت ہوگی خدا کے نزدیک لازماً ہم نے مرنا ہے۔ اس لئے زندگی کے چند دن عیش، چند دن کی طغیانیاں، چند دن کی خدا تعالیٰ کی نافرمانیاں یہ کب تک چلیں گی۔ جب مریں گے تو ضرور حسرت سے مریں گے اور دوبارہ یہ زندگی چاہیں گے۔ مگر یہ زندگی دوبارہ نہیں ملے گی۔ یہی زندگی ہے جس کو اگر آپ لیلۃ القدر سے روشن کر لیں تو یہ زندگی پھر اس دُنیا میں ہی نہیں اُس دُنیا میں بھی ساتھ دے گی۔ اِس دُنیا میں جس رفیق کو آپ پائیں گے وہ آپ کو چھوڑے گا نہیں، مرتے وقت اُس کے اور قریب ہوں گے اس سے دور نہیں ہٹیں گے۔

پس میں اُمید رکھتا ہوں کہ رمضان المبارک کے اس پیغام کو آپ بشدّت بڑے غور کے ساتھ اپنی زندگیوں میں جاری کرنے کی کوشش کریں گے۔ اب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض حوالہ جات میں نے رکھے ہوئے تھے ان سب کو پورا کرنا تو ممکن نہیں ہے کیونکہ وقت میں دیکھ رہا ہوں صرف تین چار منٹ رہ گئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک عظیم الشان نکتہ بیان فرمایا ہے جو میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ جب ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حوالہ سے نیکیوں کی تعلیم دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کوشش کرو، یہ جدوجہد کرو اس ذکر میں چھ مہینے کے مسلسل روزے بھی آجاتے ہیں اور دل ڈرتا ہے کہ ہم تو اتنی توفیق بھی نہیں پاتے کہ رمضان کے تیس روزے بھی صحیح رکھ سکیں اور رمضان گزرتا ہے تو تھوڑا سا ایک سکون محسوس کرتے ہیں کہ زندگی اب عام حالتوں کی طرف لوٹے گی۔ تو ان کی بیعت کی ہے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی، ان کا یہ حال ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کبھی سوچا اور آپ کو جماعت کی اس حالت پر رحم آ گیا اور خود ایک نرمی کی نصیحت فرمائی ہے اور حکمت بیان کی ہے کہ میں کیوں اپنے اوپر اتنی سختی روا رکھتا ہوں یہ بھی منشاء الٰہی کے مطابق تھا اور منشاء الٰہی ہر شخص کی استطاعت کے مطابق ہوا کرتا ہے۔ اسی لئے میں گزشتہ خطبوں میں آپ کو بار بار کہتا رہا ہوں گھبرانا نہیں، گھبرانا نہیں۔ آپ میں استطاعت اتنی نہیں ہے زبردستی بوجھ نہ ڈال لینا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس تحریر سے بعینہٖ یہ بات ثابت ہے۔ فرماتے ہیں:

”حضرت والد صاحب کے زمانہ میں ہی جب کہ ان کا زمانہ وفات بہت نزدیک تھا ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک بزرگ معمر پاک صورت مجھ کو خواب میں دکھائی دیا اور اس

نے یہ ذکر کر کے کہ 'کسی قدر روزے انوار سماوی کی پیشوائی کے لئے رکھنا سنت خاندان نبوت ہے۔' اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ میں اس سنت اہل بیتِ رسالت کو بجالاؤں۔ سو میں نے کچھ مدت تک التزامِ صوم کو مناسب سمجھا۔۔۔ اور اس قسم کے روزہ کے عجائبات میں سے جو میرے تجربہ میں آئے وہ لطیف مکاشفات ہیں جو اس زمانہ میں میرے پر کھلے۔''

نبیوں سے ملاقاتیں ہوئیں، اعلیٰ درجہ کے اولیاء سے گفت وشنید ہوئی۔ یہ میں اپنے الفاظ میں مختصر عبارت بیان کر رہا ہوں۔ انوارِ روحانی کے ستون تھے جو دل سے اٹھتے تھے اور آسمان سے اتر رہے تھے۔ یہ سارا تجربہ بیان کرنے کے بعد حضورؑ فرماتے ہیں میرے خیال میں ہے کہ وہ خدا کی محبت سے ترکیب پانے والے ستون تھے۔ ایسے ستون تھے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت نے میرے دل کی محبت کو یوں قبول فرمایا اور کچھ ستون نیچے سے اٹھ رہے تھے کچھ اوپر سے اتر رہے تھے اور ان کے ملنے سے جو لذت نصیب ہوتی تھی وہ بیان سے باہر ہے۔ ناممکن ہے کہ اس لذت کو میں بیان کرسکوں۔ اب جو میرا موقف تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کی کیفیات کا، اس سے اندازہ کرلیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کی لذتوں کا کیا حال ہوگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کہتے ہیں کہ مجھے ایک بزرگ نے کہا کہ خاندان نبوی کی یہ خصوصیت تھی کہ روزے رکھا کرتے تھے پس تم بھی اپنی توفیق کے مطابق روزے رکھو اور اس روزے کا اجر وہ ستون ہیں جو عشق الٰہی کی محبت کے ستون نیچے سے اٹھتے ہیں اوپر تک جاتے ہیں اوپر سے نیچے اتر رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے ہیں کہ اس لطف کے بیان کی مجھ میں ہرگز طاقت نہیں ہے۔ یہ وہ راز و نیاز تھا جو اس سے بڑھ کر حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خدا اور بندے کے درمیان ایک راز و نیاز چلا کرتا تھا۔

فرماتے ہیں:

''یہ روحانی امور ہیں کہ دُنیا ان کو نہیں پہچان سکتی کیونکہ وہ دُنیا کی آنکھوں سے بہت دور ہیں لیکن دُنیا میں ایسے بھی ہیں جن کو ان امور سے خبر ملتی ہے۔ (یعنی حسب توفیق تھوڑی تھوڑی خبر عام لوگوں کو بھی مل سکتی ہے)۔۔۔ لیکن میں ہر ایک کو یہ صلاح نہیں دیتا کہ ایسا کرے۔''

یہ وہ مضمون ہے جس کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں اور اب میں کھول رہا ہوں بات کو۔ میں آپ سے کہتا تھا کہ اپنے نفس پر اتنی سختی نہ ڈالیں جو آپ کی طاقت سے بڑھ کر ہو وہ آپ کی طاقتوں کو توڑ دے گی اور اس روحانی سفر کے لائق نہیں رہیں گے۔ یہ اب مجھے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ ملے ہیں:

''لیکن میں ہر ایک کو یہ صلاح نہیں دیتا کہ ایسا کرے اور نہ میں نے اپنی مرضی سے ایسا کیا۔''

ازخود اپنے لئے کوئی سختی تجویز کرنے کی آپ کو صلاحیت ہی نہیں ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے آپ کی صلاحیتیں کیا ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں میں نے ہرگز ازخود اپنے لئے اپنی مرضی سے یہ مشقتیں برداشت نہیں کیں۔

''یاد رہے کہ میں نے کشف صریح کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ سے اطلاع پا کر جسمانی سختی کشی (سختی کو کھینچنا یعنی سختی اٹھانا) کا حصہ آٹھ یا نو ماہ تک لیا اور بھوک اور پیاس کا مزہ چکھا اور پھر اس طریق کو علی الدوام بجالانا چھوڑ دیا اور کبھی کبھی اس کو اختیار بھی کیا۔''

(کتاب البریہ، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ:197 تا 200 حاشیہ)

تو علی الدوام جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اتنی غیر معمولی سختی برداشت کی ہے یہ حکم الٰہی کے تابع تھی جو آپ کی استطاعت کو جانتا تھا اور اس استطاعت کے نتیجہ میں آپؑ نے وہ روحانی سرور حاصل کئے ہیں جو خدا کی ذات میں مگن ہونے اور ڈوبنے کے نتیجہ میں حاصل ہوا کرتے ہیں، جن کو جو لذتوں سے استفادہ کر رہا ہے وہ بھی بیان نہیں کر سکتا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کہنا کہ میرے اور خدا کے راز و نیاز میں حائل نہ ہوں۔ تلاوت جو اتنی پیاری تھی تلاوت بھی اونچی آواز میں نہ کیا کرو میں کسی اور عالم میں پہنچا ہوا ہوتا ہوں اس عالم میں مخل نہ ہوں۔ اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عالم کی کوئی روحانی سیر بھی کبھی کبھی کر لیا کریں۔ دیکھ لیا کریں کس عالم میں تھے، جھانک لیا کریں ان مواقع پر جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنے دل میں جھانکنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔